

سعودی حکومت تاریخ کے آئینہ میں

امارت کو تین اہم ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔
پہلا دور:

محمد بن سعود کے عہد سے شروع ہوتا ہے جو 1819 تک چلتا ہے اس دور میں اس خاندان کے یکے بعد دیگرے پانچ افراد برسر اقتدار آئے۔ پہلے محمد بن سعود جو 1726 سے 1765 تک منصب امارت پر فائز رہے۔ مشہور نجدی مصلح شیخ محمد بن عبدالوہاب کا تعلق اس خاندان سے انہیں کے عہد میں قائم ہوا۔ ان کی وفات کے بعد دوسرے امیر عبدالعزیز بن محمد بن سعود ہوئے جو 1765 سے 1803 تک مسند امارت پر متمکن رہے۔ ان کے بعد ان کے بیٹے سعود بن عبدالعزیز کا دور آیا جو 1803 سے شروع ہو کر 1813 میں ختم ہو گیا۔ پھر عبداللہ بن سعود نے زمام امارت ہاتھ میں لی، انہوں نے 1813 سے 1817 تک حکومت کی۔ بعد ازاں اقتدار کی باگ ڈور مصر کے محمد علی اور ابن معمر کے فوجی قبضے میں چلی گئی۔ فوجی قبضے کی مدت دو سال (1817 سے 1819 تک) بنتی ہے۔ پھر 1819 میں مشاری بن سعود کا زمانہ امارت آیا جو صرف ایک سال پر مشتمل تھا۔ یہ تمام سعودی حکمران بڑے باہمت، نیک طبیعت، وسیع الظرف، لوگوں کے خیر خواہ، فرانح حوصلہ اور کشادہ دست تھے۔

دوسرا دور:

دوسرے دور کا آغاز امیر ترکی بن عبداللہ بن محمد

سعودی حکمران خاندان کا آغاز پندرھویں صدی عیسوی کے وسط سے ہوتا ہے اس کے سب سے بڑے رکن کا نام سعود تھا، جس کی طرف یہ خاندان منسوب ہے۔ عربی تاریخ کی کتابوں میں اس کا شجرہ نسب اس طرح بیان کیا گیا ہے: سعود بن محمد بن مقرن بن مرخان بن ابراہیم بن موی بن ربیعہ بن نافع بن اسد بن ربیعہ بن نظار بن معاویہ بن عدنان۔

سعود بن محمد عرب کی جس قوم سے تعلق رکھتا تھا اسے غیزہ کہا جاتا تھا اور اس کا ایک قبیلہ ”مصالح“ تھا سعود اس قبیلے کا سردار تھا اور وہ عرب کے مشرقی خطے میں ”دہنا“ کے اس پار رہتا تھا۔ اس کی شادی حجریمامہ یعنی ریاض کے امیر ابن درع کے خاندان میں ہوئی تھی۔ امیر ابن درع اور سعود آپس میں گہرے دوست تھے۔ 1446 میں حجریمامہ کے امیر نے سعود بن محمد کو اپنے یہاں آنے اور مستقل طور پر قیام پذیر ہونے کی دعوت دی۔ وہ آیا تو درعیہ کے قریب اسے کچھ زمین عطا کر دی گئی۔ اس علاقے کو قصیہ کہا جاتا تھا۔ سعود بن محمد کا خاندان وہاں آباد ہو گیا اور ان لوگوں نے وہاں اچھی خاصی عمارتیں بنالیں۔

خاندان کا سلسلہ نسل آگے بڑھا تو ان میں ایک شخص محمد بن سعود پیدا ہوا، جس نے عمر کی کچھ منزلیں طے کیں تو اس علاقے کی زمام امارت اپنے ہاتھ میں لی، جو اس نواح میں ”امارة السعود درعیہ“ کے نام سے موسوم ہوئی۔ تاریخی اعتبار سے سعودی خاندان کے عہد

بن سعود کی امارت سے ہوتا ہے۔ اب اقتدار عبدالعزیز بن محمد کے بیٹوں کے قبضے سے نکل کر اس کے بھائی عبداللہ بن محمد بن سعود کی اولاد کے ہاتھوں میں چلا جاتا ہے۔ یہ دور 1819 سے لیکر 1865 تک چلتا ہے یعنی چھیالیس برس پر پھیلا ہوا ہے۔ اس اثناء میں سعودی خاندان کے چھ امیر برسر اقتدار آئے جس کی تفصیل یہ ہے: ترکی بن عبداللہ نے 1819 سے 1833 تک حکومت کی۔ مشاری بن عبدالرحمن 1834 سے 1838 تک چار سال عہد امارت پر فائز رہے۔ خالد بن سعود کا دور امارت 1838 سے 1841 تک تین سال پر مشتمل ہے۔ عبداللہ بن شنیان 1841 سے 1843 تک تین سال اور فیصل بن ترکی (دوسری مرتبہ) 1843 سے 1865 تک بائیس برس منصب امارت پر متمکن رہے۔

اس کے بعد نہایت خلفشار اور ہنگاموں کا دور آیا جو 1902 تک چلا، چند الفاظ میں اسے اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے: عبداللہ بن فیصل کی امارت (پہلی مرتبہ) 1865 سے 1869 تک چار سال سعود بن عبدالعزیز 1869 سے 1874 تک پانچ سال، عبداللہ بن فیصل کی امارت دوسری مرتبہ 1874 سے 1884 تک دس سال۔ رشید خاندان کا عہد اقتدار 1884 سے 1889 تک پانچ سال۔ عبدالرحمن الفیصل 1889 سے 1891 تک دو سال۔ محمد بن فیصل 1891 سے 1892 تک ایک سال۔ رشیدیوں کا قبضہ 1892 سے 1902 تک دس سال۔

تیسرا دور:

تیسرا دور تو یہ دور 1902 سے جلالہ الملک شاہ عبدالعزیز کے عہد امارت سے شروع ہوتا ہے۔ جسے موجودہ دور حکومت کا نقطہ آغاز قرار دیا جاتا ہے۔ اب ان تینوں ادوار کے بارے میں اختصار کے ساتھ چند گزارشات پیش کی جاتی ہیں لیکن اس سے پہلے شیخ محمد

سعودی حکومت تاریخ کے آئینہ میں

امارت کو تین اہم ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔
پہلا دور:

محمد بن سعود کے عہد سے شروع ہوتا ہے جو 1819 تک چلتا ہے اس دور میں اس خاندان کے یکے بعد دیگرے پانچ افراد برسر اقتدار آئے۔ پہلے محمد بن سعود جو 1726 سے 1765 تک منصب امارت پر فائز رہے۔ مشہور نجدی مصلح شیخ محمد بن عبد الوہاب کا تعلق اس خاندان سے انہیں کے عہد میں قائم ہوا۔ ان کی وفات کے بعد دوسرے امیر عبدالعزیز بن محمد بن سعود ہونے لگے جو 1765 سے 1803 تک مسند امارت پر متمکن رہے۔ ان کے بعد ان کے بیٹے سعود بن عبدالعزیز کا دور آیا جو 1803 سے شروع ہو کر 1813 میں ختم ہو گیا۔ پھر عبداللہ بن سعود نے زمام امارت ہاتھ میں لی، انہوں نے 1813 سے 1817 تک حکومت کی۔ بعد ازاں اقتدار کی باگ ڈور مصر کے محمد علی اور ابن معمر کے فوجی قبضے میں چلی گئی۔ فوجی قبضے کی مدت دو سال (1817 سے 1819 تک) بنتی ہے۔ پھر 1819 میں مشاری بن سعود کا زمانہ امارت آیا جو صرف ایک سال پر مشتمل تھا۔ یہ تمام سعودی حکمران بڑے باہمت، نیک طینت، وسیع الظرف، لوگوں کے خیر خواہ، فراخ حوصلہ اور کشادہ دست تھے۔

دوسرا دور:

دوسرے دور کا آغاز امیر ترکی بن عبداللہ بن محمد

سعودی حکمران خاندان کا آغاز پندرھویں صدی عیسوی کے وسط سے ہوتا ہے اس کے سب سے بڑے رکن کا نام سعود تھا، جس کی طرف یہ خاندان منسوب ہے۔ عربی تاریخ کی کتابوں میں اس کا شجرہ نسب اس طرح بیان کیا گیا ہے: سعود بن محمد بن مقرن بن مرخان بن ابراہیم بن موسیٰ بن ربیعہ بن نافع بن اسد بن ربیعہ بن نظار بن معاذ بن عدنان۔ سعود بن محمد عرب کی جس قوم سے تعلق رکھتا تھا اسے غیرہ کہا جاتا تھا اور اس کا ایک قبیلہ ”مصالح“ تھا سعود اس قبیلے کا سردار تھا اور وہ عرب کے مشرقی خطے میں ”دہنا“ کے اس پار رہتا تھا۔ اس کی شادی حجریمامہ یعنی ریاض کے امیر ابن درع کے خاندان میں ہوئی تھی۔ امیر ابن درع اور سعود آپس میں گہرے دوست تھے۔ 1446 میں حجریمامہ کے امیر نے سعود بن محمد کو اپنے یہاں آنے اور مستقل طور پر قیام پذیر ہونے کی دعوت دی۔ وہ آیا تو درعیہ کے قریب اسے کچھ زمین عطا کر دی گئی۔ اس علاقے کو قضیہ کہا جاتا تھا۔ سعود بن محمد کا خاندان وہاں آباد ہو گیا اور ان لوگوں نے وہاں اچھی خاصی عمارتیں بنالیں۔

خاندان کا سلسلہ نسل آگے بڑھا تو ان میں ایک شخص محمد بن سعود پیدا ہوا، جس نے عمر کی کچھ منزلیں طے کیں تو اس علاقے کی زمام امارت اپنے ہاتھ میں لی، جو اس نواح میں ”امارة السعود درعیہ“ کے نام سے موسوم ہوئی۔ تاریخی اعتبار سے سعودی خاندان کے عہد

بن سعود کی امارت سے ہوتا ہے۔ اب اقتدار عبدالعزیز بن محمد کے بیٹوں کے قبضے سے نکل کر اس کے بھائی عبداللہ بن محمد بن سعود کی اولاد کے ہاتھوں میں چلا جاتا ہے۔ یہ دور 1819 سے لیکر 1865 تک چلتا ہے یعنی چھیالیس برس پر پھیلا ہوا ہے۔ اس اثناء میں سعودی خاندان کے چھ امیر برسر اقتدار آئے جس کی تفصیل یہ ہے: ترکی بن عبداللہ نے 1819 سے لیکر 1833 تک حکومت کی۔ مشاری بن عبدالرحمن 1834 سے 1838 تک چار سال عہد امارت پر فائز رہے۔ خالد بن سعود کا دور امارت 1838 سے 1841 تک تین سال پر مشتمل ہے۔ عبداللہ بن شہیان 1841 سے 1843 تک تین سال اور فیصل بن ترکی (دوسری مرتبہ) 1843 سے 1865 تک بائیس برس منصب امارت پر متمکن رہے۔

اس کے بعد نہایت خلفشار اور ہنگاموں کا دور آیا جو 1902 تک چلا، چند الفاظ میں اسے اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے: عبداللہ بن فیصل کی امارت (پہلی مرتبہ) 1865 سے 1869 تک چار سال سعود بن عبدالعزیز 1869 سے 1874 تک پانچ سال، عبداللہ بن فیصل کی امارت دوسری مرتبہ 1874 سے 1884 تک دس سال۔ رشید خاندان کا عہد اقتدار 1884 سے 1889 تک پانچ سال۔ عبدالرحمن الفیصل 1889 سے 1891 تک دو سال۔ محمد بن فیصل 1891 سے 1892 تک ایک سال۔ رشیدیوں کا قبضہ 1892 سے 1902 تک دس سال۔

تیسرا دور:

تیسرا دور تو یہ دور 1902 سے جلالت الملک شاہ عبدالعزیز کے عہد امارت سے شروع ہوتا ہے۔ جسے موجودہ دور حکومت کا نقطہ آغاز قرار دیا جاتا ہے۔ اب ان تینوں ادوار کے بارے میں اختصار کے ساتھ چند گزارشات پیش کی جاتی ہیں لیکن اس سے پہلے شیخ محمد

بن عبد الوہاب کا تذکرہ نہایت ضروری ہے جو نجد کی اصلاحی تحریک کے اولین رکن تھے اور انہوں نے اس علاقے کے بہت بڑے مصلح کی حیثیت سے شہرت پائی۔ ان کا تعلق سعودی امارت کے پہلے دور سے ہے۔ وہ 1703 میں پیدا ہوئے اور اپنے والد گرامی شیخ عبد الوہاب سے تعلیم حاصل کی جو اس علاقے کے شہر ”حریملہ“ کے قاضی تھے اور اس نواح میں نہایت عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ عبد الوہاب نے 1740 میں وفات پائی۔

ان کے بیٹے محمد بن عبد الوہاب نے بہ درجہ غایت گرجوشی سے تبلیغ و اصلاح کا سلسلہ شروع کیا اور اس راہ میں بہت سی مشکلات سے دوچار ہوئے۔ بہت سے لوگوں نے انہیں شدید تکلیفوں میں مبتلا کیا لیکن وہ کسی تکلیف کی پرواہ کئے بغیر آگے بڑھتے رہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آہستہ آہستہ بے شمار لوگ ان کے ساتھ ہو گئے اور ان کا حلقہ دعوت و اصلاح پورے علاقے میں پھیل گیا۔ اس وقت ان کے وارثہ اثر و رسوخ نے مزید وسعت اختیار کر لی، جب ان کا رابطہ امیر محمد بن سعود سے قائم ہوا۔ امیر محمد بن سعود 1746 میں درعیہ کے منصب امارت پر متمکن ہوا اور 1765 تک اس نے حکومت کی۔ 1747 میں اس نے شیخ محمد بن عبد الوہاب کے ہاتھ پر بیعت کی اور دونوں کے درمیان یہ طے پایا کہ وہ احکام شریعت کی تبلیغ کریں گے۔ بدعات و رسوم، اوہام پرستی اور خلاف اسلام امور کے خاتمے کیلئے کوشاں ہوں گے۔ اور اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے، چنانچہ دونوں اس عہد پر قائم رہے اور دونوں نے اپنی ہمت و استطاعت کے مطابق بے پناہ خدمات انجام دیں۔ اور 1793 میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

تھوڑے عرصے کے بعد حالات نے کچھ ایسی کروٹ لی کہ امیر محمد بن سعود نے اپنا پایہ تخت درعیہ کی بجائے ریاض کو قرار دیا۔ اب جیسے جیسے ان کا سیاسی

اثر و رسوخ بڑھنے لگا، اسی نسبت سے مخالفت کے سلسلے میں بھی تیزی آ گئی۔ مکہ مکرمہ پر شریفی حکومت کا قبضہ تھا۔ انہوں نے امیر محمد بن سعود کو فریضہ حج ادا کرنے سے روک دیا۔ اس کے بعد 1765 میں امیر موصوف وفات پا گئے۔

ان کے بعد ان کے بیٹے امیر عبد العزیز مند امارت پر فائز ہوئے۔ وہ نہایت بہادر، حوصلہ مند اور بے حد جری حاکم تھے۔ عوام میں ان کو بڑی مقبولیت حاصل تھی، مختلف قبائل و قصبات میں وہ خود جاتے اور لوگوں کی غمی خوشی میں شریک ہوتے۔ انہوں نے فروغ تعلیم کیلئے بڑی جدوجہد کی، شیخ محمد بن عبد الوہاب کے ساتھ بھی اپنے باپ کی طرح ان کے نہایت مخلصانہ تعلقات تھے۔ جہاد کا سلسلہ بھی انہوں نے باقاعدہ جاری رکھا اور ریاض کے علاوہ نجد کے متعدد اضلاع پر بھی ان کا قبضہ ہو گیا۔ حجاز کا حکمران شریف غالب ان کی طاقت سے اس قدر مرعوب ہوا کہ اس نے ان کے ساتھ صلح بھی کر لی اور ان کو اور ان کے نجدی ساتھیوں کو بھی از خود فریضہ حج ادا کرنے کی اجازت دے دی۔ 1803 تک سعودیوں اور شریفیوں کی صلح رہی اس کے بعد پھر جھگڑے شروع ہو گئے۔ اس اثناء میں امیر عبد العزیز بن محمد نے طائف پر قبضہ کر لیا اور شریف غالب جدہ کی طرف بھاگ گیا۔ یہ واقعہ 1803 کو پیش آیا۔

امیر عبد العزیز بن محمد کے زمانہ امارت میں فتوحات کے دائرے نے بڑی وسعت اختیار کی اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ 1799 میں اس نے اپنے بیٹے سعود کی کمان میں عراق کی طرف جو فوجیں بھیجیں، وہ کربلا تک پہنچ گئی تھیں جو عراق کے عین وسط میں واقع ہے۔ پورا عراق اس وقت ان فوجوں کی زد میں تھا۔ ان دنوں امیر عبد العزیز کی سلطنت مشرق میں بحیرہ عرب سے لیکر مغرب میں بحیرہ احمر تک اور جنوب میں عراقی سرحدوں سے لیکر بیشہ اور عسیر تک وسیع ہو گئی تھی۔

ان تمام علاقوں میں اتحاد کی فضا پیدا ہو گئی تھی، چاروں طرف امن و امان کا شامیانہ تن گیا تھا اور اس پورے علاقے میں اسلامی احکام پر عمل ہونے لگا تھا لیکن آنا فانا یہ ہولناک حادثہ پیش آیا کہ ایک دن امیر عبد العزیز درعیہ کی مسجد طریف میں مغرب کی نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص نے ان کو قتل کر دیا۔ یہ حادثہ 1803 میں پیش آیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ قاتل عراق کے ایک قصبے ”العمارہ“ کا رہنے والا تھا اور شیعہ مسلک کا حامل تھا وہ راہب کے بھیس میں درعیہ آیا اور کچھ عرصہ وہاں رہا موقع پاتے ہی امیر موصوف کے جسم میں زہر میں بجھا خنجر گھونپ دیا اور وہ اسی وقت وفات پا گئے کہا جاتا ہے کہ قاتل کو ان پر غصہ یہ تھا کہ ان کی فوجوں نے کربلا کے بعض مشاہد کو منہدم کر دیا تھا۔

امیر عبد العزیز کی وفات کے بعد مند امارت ان کے بیٹے سعود کے سپرد ہوئی۔ یہ سعودی مملکت کے بانی کا پوتا تھا جو اپنے باپ کی طرح نہایت عاقل و فہیم، دور اندیش، صاحب جودت و سخا اور جرات مند حکمران تھا۔ صالحیت اور صلاحیت دونوں اوصاف اس میں پائے جاتے تھے۔ اس نے نوج کئے اور ہر سال حج کے موقع پر کعبۃ اللہ پر چڑھانے کیلئے سرخ محمل کا خلاف اپنے ساتھ لیکر جاتا تھا۔ وہ اپنے علاقے میں تعلیم عام کرنے کا انتہائی خواہش مند تھا، چنانچہ اس خواہش کی تکمیل کیلئے مختلف مقامات پر اس نے بہت سے معلم بھیجے، جنہوں نے تدریسی خدمات سرانجام دیں۔

یہ زمانہ ترکی میں عثمانی حکومت کا تھا۔ سعودی مملکت کی وسعت سے ترکی کی عثمانی حکومت بھی برا فروخت ہوئی۔ اس نے 1798 میں اپنی فوجیں سعودی فوجوں سے لڑائی کے لئے ”احسا“ کی طرف روانہ کر دیں، جہاں سعودی فوجیں مقیم تھیں۔ ادھر شریف غالب بھی سعودی افواج سے جنگ کیلئے چل پڑا۔ مصر کا حکمران محمد علی نجد پر حملے کیلئے کمر بستہ ہو گیا اور اس نے 1811 میں اپنے بیٹے طوسون کی کمان میں

نجد کی طرف فوجیں بھیج دیں جو بحیرہ احمر کے کنارے "میتج" پر قابض ہو گئیں۔ ادھر نجدی لشکر نے شہزادہ عبداللہ بن سعود کی کمان میں مصری فوجوں پر حملہ کر دیا اور انہیں شکست دی۔ مصری فوج کا ایک حصہ واپس مصر چلا گیا۔

محمد علی نے اس سے اگلے سال 1812 میں سعودیوں کے خلاف دوبارہ بہت بڑی مہم روانہ کی، جس نے شدید جنگ کے بعد مدینہ منورہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد 1813 میں جدہ اور مکہ معظمہ پر بھی مصری فوجیں قابض ہو گئیں۔ اسی سال امیر سعود نے وفات پائی۔ ان کے بعد ان کے بیٹے عبداللہ بن سعود نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی۔ وہ 1813 سے 1817 تک برسرِ قدار رہا۔ یہ بھی اپنے پیشروؤں کی طرح بلند حوصلہ اور جرات مند امیر تھا لیکن مخالفین کی یلغار اتنی سخت تھی اور ان کے حملوں کا سلسلہ اتنا تیز تھا کہ عبداللہ کو ان کے مقابلے میں شدید نقصان اٹھانا پڑا۔ 1815 میں مصر کے محمد علی کا بیٹا طوسون بہت بڑی فوج کے ساتھ امیر عبداللہ کے علاقے پر حملہ آور ہوا اور مارچ کے مہینے میں نجد میں داخل ہو کر اس نے الواس پر قبضہ کر لیا لیکن الواس کے مقام پر اس کے اور عبداللہ کے درمیان صلح ہو گئی مگر یہ صلح عارضی ثابت ہوئی۔ 1816 میں محمد علی کے دوسرے بیٹے ابراہیم نے مصری فوجوں کی کمان اپنے ہاتھ میں لی اور عبداللہ سے جنگ شروع کر دی۔ ایک سال کی مسلسل اور خون ریز جنگ کے بعد وہ درعیہ پہنچ گیا اور 1818 میں نجد کے دار الحکومت ریاض میں داخل ہو گیا اور اس پر قبضہ کر لیا۔ ابراہیم نے اسی پر اکتفا نہیں کی، اس نے امیر عبداللہ بن سعود اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کے خاندان کے بہت سے افراد کو گرفتار کر کے قاہرہ بھیج دیا، جن میں خود امیر عبداللہ بھی شامل تھے۔ پھر 1820ء میں امیر عبداللہ، ان کی حکومت کے وزیر خزانہ اور سیکرٹری کو میدان اباصوفیہ میں پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ اس سے ایک

سال قبل 1819 میں امیر عبداللہ کے بھائی مشاری نے درعیہ پر قبضہ کر کے اپنی حکومت قائم کر لی تھی، اسے بھی گرفتار کر لیا گیا۔

اسی زمانے میں عبداللہ کا ایک بیٹا جس کا نام "ترکی" تھا، ریاض آیا اور اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا، لیکن محمد علی پاشا کی فوج نے اس کو بھی وہاں سے نکال دیا۔ 1822 میں ترکی پھر میدان میں اتر اور محمد علی کی فوجوں پر حملہ کر کے انہیں شدید پریشانی میں ڈال دیا اور اپنی حکومت کا اعلان کر دیا۔ اس نے کچھ عرصہ حکومت کی، اس کے بعد اسے اسی خاندان کے ایک امیر نے قتل کر دیا اور اقتدار پر قابض ہو گیا۔ تھوڑے ہی عرصے بعد ترکی کے بیٹے فیصل نے دوبارہ اپنی آبائی سلطنت پر قبضہ کر لیا، یہی وہ فیصل ہے جس سے خاندان سعود کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ اس دور کی بہت سی تفصیلات تاریخ کی کتابوں میں مرقوم ہیں، جن کے یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف اتنا بتا دینا کافی ہو گا کہ یہ امیر فیصل جس سے سعودی حکومت کی حکمرانی کے دوسرے دور کا آغاز ہوتا ہے، یہ دور بہت زیادہ مشکلات میں گھرا ہوا تھا۔ ایک طرف اس کے بیرونی مخالف تھے اور وہ تھے مصر اور ترکی کے حکمران اور اس کے ساتھ ہی حجاز کی شریفی حکومت۔ دوسری طرف خود اس کے خاندان کے لوگ اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے تھے۔ فیصل نہایت احتیاط اور انتہائی عقل مند کی ساتھ ان سب کا مقابلہ کر رہا تھا۔

مسلسل پانچ سال سویز میں نظر بند رہا۔ آخر حالات سے مجبور ہو کر اسے مصریوں اور ترکوں سے تعلقات قائم کرنا پڑے۔ 1886 میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کے انتقال کے ساتھ ہی اس کے بیٹوں کے درمیان جھگڑے شروع ہو گئے۔ پہلے سعود امیر بنا، پھر اس کے بھائی عبداللہ نے مسند امارت سنبھالی۔ بعد ازاں عبدالرحمن اس منصب پر فائز ہوا لیکن امیر عبدالرحمن بھی اطمینان سے حکومت نہ کر سکا۔ آخر

1888 میں اسے اپنے وطن کو خیر باد کہہ کر کویت میں پناہ لینا پڑی۔ امیر عبدالرحمن سعودی حکومت کے موجودہ حکمران شاہ فہد کے دادا اور ان کے والد سلطان عبدالعزیز (ابن سعود) کے والد محترم تھے۔ امیر عبدالرحمن کے کویت جانے کے بعد ان کے بھائی عبداللہ کو امیر مقرر کیا گیا لیکن وہ برائے نام امیر تھا۔ اصل اختیارات امیر ابن رشید (یا شریفی خاندان) کے ہاتھ میں تھے۔

سعودی خاندان کی تاریخ مسلسل جدوجہد اور تائید حق و صداقت کی بہادرانہ مساعی سے بھر پور ہے۔ سلطان عبدالعزیز جنہیں عرف عام میں سلطان ابن سعود کہا جاتا ہے۔ اس خاندان کے نہایت شجاعت پیشہ رکن اور عظیم الشان روایات کے حامل تھے۔ وہ امیر عبدالرحمن کے فرزند ارجمند تھے۔ سعودی خاندان کے تیسرے دور کا آغاز اسی سلطان عبدالعزیز سے ہوتا ہے اور اس دور کا تسلسل اللہ کے فضل سے جاری ہے۔ عبدالعزیز کی ولادت 23 نومبر 1880 کو دولت سعودیہ کے دار الحکومت ریاض میں ہوئی، جب ان کے والد امیر عبدالرحمن 1888 میں نجد سے نکل کر شیخ کویت کے ہاں پناہ گزین کی حیثیت سے گئے۔ اس وقت ان کی عمر آٹھ برس کی تھی۔

یہاں یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ اس زمانے کی کویتی حکومت اور سعودی خاندان کے باہمی تعلقات خوشگوار نہ تھے لیکن ان کے درمیان نقطہ اتحاد یہ تھا کہ حجاز کی رشیدی اور شریفی حکومت کے یہ دونوں مخالف تھے۔ چنانچہ "دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے" کے اصول کے مطابق دونوں کے درمیان مصالحت ہو گئی۔ یہی وجہ ہے کہ امیر عبدالرحمن نے کویتی حکومت کی مدد سے دو مرتبہ رشیدیوں پر حملہ کیا۔ یہ الگ بحث ہے کہ دونوں مرتبہ انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

اب چند باتیں سلطان عبدالعزیز (ابن سعود) کے بارے میں بیان کی جاتی ہیں۔ وہ بڑے ہوئے تو

اپنے والد امیر عبدالرحمن کے پاس کویت چلے گئے، اپنے خاندان کی گزشتہ تاریخ سے وہ پوری طرح آگاہ تھے اور اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کو دوبارہ حاصل کرنے کیلئے انتہائی بے تاب تھے۔ انہوں نے بے سرو سامانی کے عالم میں کس طرح کویت سے ریاض کا عزم کیا اور بالآخر اسے فتح کرنے اور اس پر اپنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ کس طرح کامیاب ہوئے؟ یہ نہایت حیرت انگیز واقعہ ہے اور اس مادی دور اور بے پناہ اسلحہ کے زمانہ میں اس کا تصور کرنا بھی مشکل ہے۔ یہ سب اللہ کے بھروسے اور جذبہ صادق کی بنیاد پر ہوا جس کی مختصر روداد یہ ہے:

1901 میں جب کہ عبدالعزیز کی عمر بیس سال سے زیادہ نہ تھی وہ تین سو کے لگ بھگ مجاہدوں کے ساتھ خفیہ طور سے صحرا میں نکلا۔ 11 جنوری 1902 کو عید الفطر کی نماز ریاض کے قریب ایک گاؤں ”ابو جفان“ میں پڑھی، اس وقت دو سو آدمی اس کے ساتھ تھے۔ عید سے دوسرے روز 12 جنوری 1902 (2 شوال 1319ھ) کو اس نے اچانک ریاض کا قصد کیا۔ سورج غروب ہوا تو دو سو میں سے صرف چالیس آدمی ساتھ لئے، ایک سو ساٹھ افراد کو ایک جگہ ٹھہرایا اور تاکید کی کہ اگلے دن دوپہر تک ہماری طرف سے کوئی اطلاع نہ پہنچے تو سمجھ لینا کہ ہم اپنے وطن کو دوسروں کے غلامی کے چنگل سے نجات دلانے کی کوشش میں موت کا لقمہ بن گئے ہیں لہذا نہایت عجلت کے ساتھ کویت چلے جانا۔

رات کی تاریکی بڑھی تو یہ چالیس افراد ریاض کے قریب پہنچے، وہاں عبدالعزیز نے بچپن کے آدمیوں کو ایک جگہ روکا اور اپنے بھائی محمد بن عبدالرحمن کو ان کا امیر مقرر کیا۔ انہیں بھی یہی تاکید کی کہ اگر ہمارے متعلق کل کسی وقت تک کوئی خبر نہ ملے تو فوراً کویت واپس چلے جانا۔ اب عبدالعزیز نے صرف پندرہ آدمیوں کو اپنے ہمراہ لیا اور ان کے سمیت یہ کل سولہ

آدمی مسافر کی حیثیت سے ریاض میں داخل ہوئے۔ رات قلعے کے سامنے ایک بے آباد مکان میں گزار دی، تمام افراد رات بھر قہوہ پیتے اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہے۔ فجر کی نماز پڑھنے کے بعد قلعے پر حملے کی تیاری کر لی۔ جیسے ہی قلعے کا دروازہ کھلا، رشیدی حاکم بامصر باہر نکلا، عبدالعزیز نے اسے دیکھتے ہی اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور خود بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اس پر جاگرا۔ حاکم مارا گیا اور عبدالعزیز اسی آن شہر پر قابض ہو گیا۔ یہ سلطان عبدالعزیز کا وہ جنگی کارنامہ تھا، جو ہزاروں جنگجو فوجی بھی آسانی سے انجام نہیں دے سکتے تھے۔ اس نے صرف پندرہ آدمیوں کے ساتھ بہت بڑا انقلاب پکا کر دیا۔ اور چند ثانیوں میں ایک مضبوط حکومت کا تختہ الٹ کر رکھ دیا۔ عرب (بالخصوص نجد کے عرب) شجاعت و مردانگی میں بڑی شہرت رکھتے ہیں لیکن پندرہ آدمیوں کی رفاقت میں ریاض جیسے شہر کی تسخیر میں جو ایک مضبوط سلطنت کا دار الحکومت ہے، کامیاب ہو جانا خود ان کے نزدیک بھی انتہائی حیرت انگیز واقعہ اور نہایت تعجب خیز کارنامہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ سلطان عبدالعزیز کی زندگی جرات و شجاعت کے بے شمار واقعات کا حیران کن موقع تھی۔ ان کی تک و تاز کے تمام پہلوؤں میں بے پناہ مجاہدانہ روح کار فرما تھی۔ عظمت و عزیمت کے جو نقوش انہوں نے اپنے پیچھے چھوڑے اور زمین عرب پر مرتسم کئے وہ تاریخ حکمرانی کا ایک تابندہ اور درخشندہ باب بن گئے ہیں۔ ریاض کی فتح کے وقت جن پندرہ افراد کو عبدالعزیز اپنے ساتھ لے کر گئے تھے، تاریخ کی کتابوں میں ان کے نام بھی مرقوم ہیں۔ اس مرد مجاہد نے کمال جرات کا مظاہر کرتے ہوئے 1924 میں ریاض سے مکہ معظمہ کا عزم کیا، جس پر ایک ظالم حکمران شریف حسین قبضہ جمائے بیٹھا تھا، اسے اس بلدہ پاک سے باہر نکال دیا۔ اس کے بعد 1925 میں پورے حجاز کو فتح کر لیا۔ پھر 8 جنوری 1926 کو ایک فاتح کی حیثیت سے مکہ مکرمہ

میں داخل ہوئے۔ اب مکمل طور پر حرمین شریفین کی خدمت کا اعزاز انہیں حاصل ہوا۔ 1927 میں وہ نجد حجاز کے فرمانروا قرار دیئے گئے اور انہیں بین الاقوامی حیثیت کا بہت بڑا حکمران مانا گیا۔ انہوں نے اپنے ان آبائی علاقوں کو فتح کر کے ان میں اسلامی طرز کی حکومت قائم کی، اس پورے خطے میں شریف حسین کے زمانے میں بد امنی پھیلی ہوئی تھی اور حجاج کے قافلے رہزنوں کے ہاتھوں ہمیشہ خطرات میں گھرے اور لوٹ مار کا شکار رہتے تھے۔ لیکن سلطان عبدالعزیز نے نہایت اخلاص اور بے حد محنت کے ساتھ بہت تھوڑے عرصے میں اس قسم کی حکومت کی طرح ڈالی کہ لوٹ کھسوٹ اور بد امنی کا پوری مملکت میں قطعی طور سے خاتمہ ہو گیا۔ اب سعودی عرب کے کسی گوشے میں کوئی شخص کہیں چلا جائے، کسی نوع کے خطرے سے دوچار نہیں ہوگا۔ (الحمد للہ)

سلطان عبدالعزیز جہاں انتظامی صلاحیتوں سے پوری طرح بہرہ ور تھے، وہاں بہت بڑے عالم دین اور سیاست دان بھی تھے۔ سیاسیات عالم اور بین الاقوامی حالات پر وہ انتہائی گہری نظر رکھتے تھے۔ اور مشکل سے مشکل مسائل نہایت آسانی سے حل کر دیتے تھے۔ وہ عمر بھر عرب ممالک کے اور ان میں اسلامی اسلوب حکومت کے قیام کیلئے کوشاں رہے۔ اس مسئلے کو انہوں نے اپنی زندگی کا بنیادی نصب العین قرار دے لیا تھا۔ یہاں یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ حجاز فتح کرنے کے بعد وہ اپنے والد محترم امیر عبدالرحمن کی خدمت میں کویت گئے، جہاں وہ اس وقت قیام پذیر تھے، ان سے نہایت ادب کیساتھ مسند اقتدار پر متمکن ہونے کیلئے عرض کیا لیکن انہوں نے یہ بہت بڑی ذمہ داری قبول کرنے اور زمام حکومت ہاتھ میں لینے سے انکار کر دیا۔ اور سعادت مند بیٹے سے کہا یہ علاقہ چونکہ ان کی حسن تدبیر اور بہترین جنگی حکمت عملی کی بناء پر فتح ہوا ہے، اس لئے وہی اس پر حکومت کرنے کا استحقاق